© rasailojaraid.com

تحقیق وتنقید

محمد رفیق چودھری

جاوید احمد غامدی اور ان کے نام نہاد 'امام' کی عربی دانی اور قرآن فہمی کے چند نمونے

فاضل مقالہ نگار محمد رفیق چودھری جناب جاوید احمد غامدی کے ان ابتدائی ساتھیوں میں سے ہیں جب غامدی صاحب ابھی محمد شفیق عرف 'کاکوشاہ' سے نام تبدیل کر کے غامدی کے لاحقہ کے بغیر صرف 'جاوید احمد' کہلاتے تھے۔ یہ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد کا دور ہے، جب جاوید احمد بی اے کرنے کے بعد اپنی طلاقتِ لسانی کی بدولت پنجاب کے ایڈمنسٹریٹر اوقاف جناب حامد مختار گوندل کو متاثر کر کے اوقاف کے خرچ پر ۲۹/ جے ماڈل ٹاؤن لاہور میں دائرۃ الفکر کے نام سے ایک تربیتی اور تحقیقی ادارہ کی داغ بیل ڈال رہے تھے اور عمومی مجلسوں میں مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی پر تنقید کرنے کا خصوصی شوق فرماتے تھے۔

جناب جاوید احمد نے اسی زعم میں ان دنوں جماعتِ اسلامی کے مقابلہ میں 'تحریکِ اسلامی' کے نام سے ایک تنظیم کا افتتاح کیا تو محترم محمد رفیق چودھری بھی اس کے فعال رکن تھے۔ پھر جلد ہی قدرت نے اُنہیں مولانا مودودی مرحوم کے سایۂ عاطفت میں ڈال دیا تو جاوید احمد کو فوری طور پر جماعتِ اسلامی میں بڑی پذیرائی ملی۔ رکنیتِ مجلس شوریٰ تو چھوٹی شے ہے، ان کے حواری اُنہیں مولانا مودودیؒ کا 'جانشین' بتانے لگے کیونکہ مولانا مرحوم نے غالباً جاوید احمد کی جولانیٔ طبع کو آزمانے کے لیے ان کو دار العروبۃ کی خالی ہونے والی کوٹھی ۴/ ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور نہ صرف مفت دے رکھی تھی بلکہ ایک ہزار روپیہ مزید ماہوار تعاون کا وعدہ بھی فرمایا۔ اس طرح جاوید احمد کو جماعتِ اسلامی کے متاثرین میں پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا۔

اس وقت جاوید احمد ابھی عربی گرامر کے طالب علم تھے اور ہر وقت معتزلہ کے امام 'زمخشری' کی علم نحو پر کتاب المُفصّل ان کی بغل میں ہوتی اور تفسیر میں الکشاف سے استفادہ کرنے کا اُنہیں خصوصی شوق دامن گیر رہتا۔ اس فکری ارتقا کو ہم کسی اور فرصت میں عرض کریں گے۔ ان شاء اللہ

جب جناب جاوید احمد کو اپنے ابتدائی امتحان میں کچھ اُلجھنوں کے حوالے سے جماعتِ اسلامی کے حلقوں سے واسطہ پڑا تو جماعتِ اسلامی سے ۱۹۵۷ء میں الگ ہونے والے مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے روابط کا شوق اُنہیں اُن کے قریب تر اور جماعت اسلامی سے مزید دور لے جانے کا باعث بنا۔ یہ ان کی تحریکی سفر کی بہت مختصر روداد ہے۔ جناب رفیق احمد چودھری اس سارے سفر کے قریبی ساتھی ہیں اور جناب جاوید احمد

www.KitaboSunnat.com

صاحب کے اس سارے دورانیے میں علمی ارتقا اور فکری خدوخال کے چشم دید گواہ بھی ہیں۔ آپ کا 'مسئلہ رجم' پر اختلاف ایک طرف جاوید احمد سے جدائی کا باعث بنا تو دوسری طرف 'غامدیہ' کا واقعہ رجم جاوید احمد کو 'غامدی' کے لقب سے آشنا کر گیا۔ یہ سارا قصہ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد کا ہے اور اب سقوطِ کابل کے بعد کا دور جاوید احمد غامدی کے خصوصی عروج کا دور ہے، کیونکہ اس وقت وہ برسراقتدار جرنیل تو کجا امریکہ بہادر کی نمک حلالی بھی فرما رہے ہیں۔

علمی میدان میں ان کا بڑا زعم 'عربی دانی اور قرآن فہمی' کا ہے جس کو قبولیتِ عام دینے کے لیے اُنہوں نے مولانا امین احسن اصلاحی کو 'مولانا' کی بجائے 'امام' کے لقب سے نوازا ہے۔ اگرچہ غامدی صاحب اپنے حلقہ میں خود بھی 'امامت' کے درجہ سے قریب تر ہونے کے وہم میں مبتلا ہیں، اسی بنا پر اکثر تبصرے اور اختلافی مضامین خواہ وہ خود لکھیں یا لکھوائیں، ان کے حاشیہ نشینوں کے نام سے شائع ہوتے ہیں جس میں وہ غامدی صاحب کو 'اُستاذِ محترم' ہی لکھتے ہیں۔ غامدی صاحب کی اس حکمتِ عملی کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کل کلاں کسی فکری تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو تو آسانی رہے۔ بہرصورت یہ ان کا ہر دم بدلتا فکر ہے جسے ان کے اپنے حلقہ میں جاوید احمد غامدی صاحب کا فکری ارتقا باور کرایا جاتا ہے۔

جناب محمد رفیق چودھری نے اگرچہ عرصہ سے جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے الحادی فکر کا تنقیدی جائزہ چھوڑ رکھا ہے تاہم کسی جذبہ محرکہ نے ان کے قلم کو مہمیز دی ہے اور اُنہوں نے جاوید احمد غامدی اور ان کے نام نہاد امام امین احسن اصلاحی کی عربی دانی اور قرآن فہمی کے 'مشتے از خروارے' چند نمونے سپردِ قلم کیے ہیں۔ ہم اُمید رکھتے ہیں کہ وہ ان کے 'نادر افکار' کا بھی گاہے بگاہے اسی طرح جائزہ لیتے رہیں گے جس طرح ایک عرصہ قبل ان کے جذبہ ایمانی نے ایک جزوی 'مسئلہ رجم' پر اُنہیں جاوید احمد سے داغِ جدائی دیا تھا۔ زیر نظر مقالہ سے قبل 'سقوطِ ڈھاکہ سے سقوطِ کابل' تک بننے والی شخصیت کا یہ تاریخی حلیہ پیش خدمت رہے۔ (محدث)

جناب جاوید احمد غامدی اُس 'حلقہ فکرِ فراہی' کے ایک نمائندہ فرد ہیں جس نے دورِ حاضر میں تجدد اور انکارِ حدیث کی نئی طرح ڈالی ہے اور اپنے چند خود ساختہ اُصولوں کو تحقیق کے نام سے پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔

زیرنظر مضمون میں ہم ان کے ایک مخصوص اُصولِ ترجمہ وتفسیر کا علمی جائزہ لیں گے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ ان کے من گھڑت اُصولوں کی زد کہاں کہاں تک پہنچتی ہے اور کس طرح اس کے نتیجے میں ایک نئی شریعت ایجاد ہوجاتی ہے؟

چنانچہ قرآن فہمی کے حوالے سے وہ اپنے بعض اُصولوں کو یوں بیان فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

''اس (قرآن) کے الفاظ کی دلالت اس کے مفہوم پر بالکل قطعی ہے۔ یہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے پوری قطعیت کے ساتھ کہتا ہے اور کسی معاملے میں بھی اپنا مدعا بیان کرنے سے ہرگز قاصر نہیں رہتا۔ اس کا مفہوم وہی ہے جو اس کے الفاظ قبول کرلیتے ہیں، وہ نہ اس سے مختلف ہے نہ متبائن۔ اس کے شہرستانِ معانی تک پہنچنے کا ایک ہی دروازہ ہے اور وہ اس کے الفاظ ہیں۔ وہ اپنا مفہوم پوری قطعیت کے ساتھ واضح کرتے ہیں۔'' (میزان: صفحہ ۲۴، طبع دوم)

پھر اپنی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''قرآن کا کوئی لفظ اور کوئی اُسلوب بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے شاذ نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے مخاطبین کے لئے بالکل معروف اور جانے پہچانے الفاظ اور اسالیب پر نازل ہوا ہے۔ زبان کے لحاظ سے اس کی کوئی چیز اپنے اندر کسی نوعیت کی غرابت نہیں رکھتی، بلکہ ہر پہلو سے صاف اور واضح ہے۔ چنانچہ اس کے ترجمہ وتفسیر میں ہر جگہ اس کے الفاظ کے معروف معنی ہی پیش نظر رہنے چاہئیں، ان سے ہٹ کر ان کی کوئی تاویل کسی حال میں قبول نہیں کی جاسکتی۔''

(میزان: صفحہ ۱۸، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

اس کے بعد اپنے موقف کو درج ذیل مثالوں سے واضح کرتے ہیں:

''وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ میں النَّجْمُ کے معنی 'تاروں' ہی کے ہوسکتے ہیں۔ إِلا إِذَا تَمَنّٰى میں لفظ تَمَنّٰى کا مفہوم خواہش اور ارمان ہی ہے۔ أَفَلاَ يَنْظُرُوْنَ إِلَى الإِبِلِ میں الإبل کا لفظ اونٹ ہی کے لئے آیا ہے۔ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ میں بَيْض انڈوں ہی کے معنی میں ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ میں نحر کا لفظ قربانی ہی کے لئے ہے۔ اور اُسے 'بوٹیوں' اور 'تلاوت' اور 'بادل' اور انڈوں کی چھپی ہوئی جھلی اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کے معنی میں نہیں لیا جاسکتا۔'' (حوالہ مذکور: ص ۱۸، ۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب کے نزدیک:

① قرآن کے الفاظ کی دلالت اس کے مفہوم پر بالکل قطعی ہوتی ہے اور قرآن کا ہر طالب علم اپنے طور پر اس کے الفاظ کا ایک قطعی مفہوم آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

② قرآن کے ترجمہ وتفسیر میں ہر جگہ اس کے الفاظ کے صرف معروف معنی ہی لئے جاسکتے ہیں اور ان سے ہٹ کر ان کی کوئی تاویل قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ گویا قرآن کے الفاظ کے

© rasaljarard.com

ایک سے زیادہ ترجمے یا تفسیریں نہیں ہوسکتیں۔

③ قرآن کے معانی تک پہنچنے کا ایک ہی دروازہ ہے اور وہ اس کے الفاظ ہیں، لہٰذا فہم قرآن کے لیے حدیث وسنت کی کوئی ضرورت نہیں۔

ہمارے نزدیک غامدی کے یہ تینوں اُصول ہی غلط ہیں اور قرآن مجید کی ایک مثال کے ذریعے ہم ان کے اُصولوں کی غلطی واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا......﴾ (المائدۃ:۳۸)

اگر غامدی صاحب کے اصولوں کو تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ

''تم ان دونوں (چوری کرنے والے مرد اور عورت) کے سارے بازو کاٹ دو۔''

کیونکہ قرآنِ کریم کے الفاظ میں أيدي (جمع يَد) مطلق آیا ہے اور قاعدہ ہے: "إذا أطلق المطلق يراد به الفرد الكامل " ''جب لفظ مطلق استعمال ہو تو اس سے فرد کامل مراد ہوتا ہے۔'' چونکہ یَد کی کامل حد کندھوں یا بغل تک ہے، اسی لیے وضو کی آیت میں 'کامل یدٗ میں سے کہنی تک (إلی المرافق) کی حد بندی کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن کے الفاظ کو دیکھا جائے تو بظاہر مفہوم یہی بنتا ہے کہ چور کا سارا ہاتھ (بازو تک) کاٹ دیا جائے، لیکن حدیث رسولؐ نے اس اِجمال کی تفصیل پیش کردی ہے کہ چوری کی حد اور سزا کی صورت ہاتھ کے جوڑ (پہنچہ) سے کاٹا جائے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: نزل القرآن جُملة حتی بيَّنها الرسول'' قرآن مجمل اُترا ہے یہاں تک کہ اس اجمال کی وضاحت رسولِ کریمؐ کرتے ہیں۔ شریعت کی رو سے قرآن اور رسولؐ کا چولی دامن کا ساتھ ہے، لہٰذا ''قرآن کے الفاظ قطعی الدلالہ ہیں'' کا اُصول اس مفہوم میں غلط ہے کہ اس کی تشریح میں سنت وحدیث کی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن فی ذاتہ کتنا بھی محکم اور قطعی ہو، اللہ تعالیٰ نے اسے رسولِ کریمؐ کی ۲۳ سالہ زندگی میں پرو کر اسی لیے اُتارا ہے کہ سنت وحدیث سے اس کی تشریح وتفسیر ہوتی چلی جائے۔ گویا قرآن کی دلالت مخاطب کے لحاظ سے اسی وقت قطعی ہوتی ہے جب مخاطب اسے رسول اللہؐ کی زندگی (اُسوۂ حسنہ) کی روشنی میں سمجھتا ہے ورنہ مختلف مغالطوں کا شکار ہوجاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

اب غامدی صاحب کے اُصولوں کی روشنی میں یہ ترجمہ کرنا کہ ''چور کے دونوں بازو کاٹ دیے جائیں۔'' کیا درست ترجمہ ہوگا اور کیا اسلامی شریعت میں چوری کی یہی سزا ہے؟ کیا پوری اُمت ِمسلمہ میں سے کوئی ایک مجتہد، فقیہ اور مفسر اس بات کو صحیح تسلیم کرتا ہے؟ کیا رسول ﷺ نے چوری کی سزا پر کسی چور کے دونوں ہاتھ کاٹے تھے۔ هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين !

بلکہ اسلامی شریعت میں جس امر پر اجماعِ اُمت ہے جو ایک سنت ِ ثابتہ اور غامدی صاحب کے نزدیک تواترِ عملی ہے یعنی جو امر اُمت کے متوارث عمل سے ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ جرم ثابت ہونے پر چور کا صرف ایک ہاتھ کاٹا جائے گا اور وہ بھی دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا، بایاں نہیں کاٹا جائے گا اور یہ دایاں ہاتھ اس وجہ سے نہیں کاٹا جائے گا کہ چوری کا صدور دائیں ہاتھ سے ہوا ہے بلکہ اس لئے کہ چوری کی حد یہی ہے کہ چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے خواہ اُس نے چوری بائیں ہاتھ سے کی ہو۔

یہ صرف ایک مثال ہے، ورنہ غامدی صاحب کے خود ساختہ تمام اُصولوں کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو اسلام کے متوازی ایک نئی شریعت ایجاد ہوجائے گی جس میں احادیث ِ صحیحہ اور اجماع کا انکار ہوگا، جس میں مرتد کی سزا قتل نہیں رہے گی۔ شادی شدہ زانی کے لئے صرف سو کوڑے کی سزا ہوگی، اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ البتہ جو کنوارا زنا بالجبر کرے گا اُسے سنگسار کیا جائے گا۔ حدود میں بھی عورت کی گواہی ہوگی اور مرد کی گواہی کے برابر ہوگی۔ قتل خطا میں مرد اور عورت کی دیت برابر ہوجائے گی۔ قرآن کی صرف ایک قراءت (حفص) صحیح ہوگی باقی قراءتیں عجم کا فتنہ قرار پائیں گی اور اُمت ِمسلمہ کے اجماعی عقیدے کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوچکی ہوگی۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ اعتراض کرے گا تو جواب میں تاویلاتِ فاسدہ کا انبار لگا دیا جائے گا۔

خود ساختہ اُصولوں کی خود مخالفت

اب ہم غامدی صاحب کے ایسے کھلے تضادات واضح کریں گے جن میں اُنہوں نے اپنے خود ساختہ اُصولوں کا خود ہی خون کیا ہے۔ اس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

❶ پہلی مثال: غامدی صاحب نے اپنی اُلٹی تفسیر البیان (میں اِسے اُلٹی اس لئے کہتا

ہوں کہ یہ آخری سورتوں سے ہوتی ہوئی پیچھے کو آرہی ہے اور ابھی صرف پہلی جلد طبع ہوئی ہے جوسورۃ الملک سے سورۃ الناس تک ہے اور باقی تفسیر ابھی نامکمل ہے) سورۃ اللھب کے الفاظ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾ کا ترجمہ غامدی صاحب نے یوں کیا ہے کہ

''ابولہب کے بازو ٹوٹ گئے۔'' (البیان:ص۲۶۰)

اور اُن کے 'استاذ امام' امین احسن اصلاحی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے۔'' (تدبر قرآن: جلد۹/ص۶۳۱)

اب یہ فیصلہ کرنا اہل علم کا کام ہے کہ لفظ 'یدا' کے معروف معنی 'بازو' کے ہیں یا 'دونوں ہاتھ' کے۔ کیونکہ استاد امام اور شاگرد رشید دونوں ہی معروف معنی لیتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ مذکورہ دونوں ترجموں میں ایک معنی ہی معروف ہوسکتے ہیں اور دوسرے معنی لامحالہ 'غیر معروف' یا 'مجہول' قرار پائیں گے۔

❷ **دوسری مثال:** سورۃ العلق کی پہلی آیت ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ کا ترجمہ غامدی صاحب نے یوں کیا ہے کہ

''اُنہیں پڑھ کر سناؤ (اے پیغمبرؐ) اپنے اُس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے۔''

(البیان:ص۲۰۷)

ان کے اُستاذِ گرامی نے اسی آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے:

''پڑھ، اپنے اُس خداوند کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے۔'' (تدبر قرآن: جلد۹/ص۴۵۱)

اب یہ فیصلہ کرنا اہل علم کا کام ہے کہ عربی زبان میں لفظ اقرأ (بغیر علیٰ کے صلہ) کے معروف معنی 'پڑھ' کے ہیں یا 'اُنہیں پڑھ کر سناؤ' کے ہیں۔ اور اُستاد اور شاگرد میں سے کس نے اپنے ہی بنائے ہوئے اُصولوں کا صحیح تتبع کیا ہے۔

❸ **تیسری مثال:** اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَأَكُمْ فِيْ الأَرْضِ﴾ (الملک:۲۴)

اس کا ترجمہ غامدی صاحب نے یہ کیا ہے کہ

''ان سے کہہ دو، وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں بویا۔'' (البیان:ص۲۵،۲۶)

اور اُن کے استاد امین احسن اصلاحی صاحب نے اسی آیت کا درج ذیل ترجمہ کیا ہے:

''کہہ دو کہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے۔'' (تدبر قرآن، جلد۸/صفحہ ۴۸۹)

اب قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ ذَرَأَكُمْ فِي الأَرْضِ میں ذرأ (ذال کے ساتھ) کے معروف معنی 'بونے' کے ہیں یا 'پھیلانے' کے۔ ہمارے خیال میں اس مقام پر غامدی صاحب کے اُستاد کا ترجمہ صحیح اور معروف کے مطابق ہے جبکہ اُن کا اپنا ترجمہ 'غیر معروف' اور 'مجہول' ہوگیا ہے اور عربی کے ایک اور لفظ 'زَرَعَ' (زاء کے ساتھ) کا ترجمہ بن گیا ہے۔ اس مثال میں بھی غامدی صاحب نے اپنے بنائے ہوئے اُصول کی خود خلاف ورزی کی ہے۔

❹ چوتھی مثال: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

﴿كَلَّا بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الآخِرَةَ﴾ (المدثر:۵۳)

اس آیت کا ترجمہ غامدی صاحب نے یوں کیا ہے کہ

''بلکہ (واقعہ یہ ہے کہ) یہ قیامت کی توقع نہیں رکھتے۔'' (البیان، ص۸۱)

اور اُن کے استاد مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کا درج ذیل ترجمہ کرتے ہیں:

''ہرگز نہیں، بلکہ وہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے۔'' (تدبر قرآن، جلد۹/ص۴۲)

اب یہ فیصلہ کرنا اہل علم کا کام ہے کہ آیت کے لفظ 'یخافون' کی قطعی دلالت اور اس کے معروف معنی بقول غامدی صاحب 'توقع رکھنے' کے ہیں یا اُن کے استاد نے اس لفظ کو اس کے معروف معنوں میں لیا ہے: 'خوف رکھنا یا ڈرنا'۔ ہماری رائے میں غامدی صاحب کے استاد کا ترجمہ صحیح ہے اور یہی اس کا معروف مفہوم ہے جبکہ غامدی صاحب نے اپنے ہی اُصول کے خلاف اس لفظ کا ایک 'غیر معروف' اور 'مجہول' ترجمہ کیا ہے۔

پانچویں مثال: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

﴿وَأَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ (سورۃ الجن:۱۵)

اس آیت کا ترجمہ غامدی صاحب نے یوں کیا ہے کہ

''اور جو نافرمان ہوئے (اُن کا انجام پھر یہی ہے) کہ وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔''
(البیان: ص۶۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب یہ جاننا اہل علم کا کام ہے کہ قرآنی لفظ القاسطون کے معروف اور قطعی معنی کیا ہیں، 'نافرمان' یا کچھ اور؟ کیونکہ 'نافرمان' تو 'الفاسقون' کا ترجمہ ٹھہرے گا جو یہاں مستعمل نہیں ہوا۔ اُن کے استاد نے اس مقام پر اس لفظ کے معنی 'جو بے راہ ہوئے' کے کئے ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی عربیت کی ایک مثال

جہاں تک غامدی صاحب کے استاد مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی عربیت کا معاملہ ہے تو واضح رہے کہ ہمیں غامدی صاحب کے علاوہ اس بارے میں اصلاحی صاحب پر بھی اعتماد نہیں ہے۔ تفسیر 'تدبر قرآن' میں کئی مقامات پر عربیت کے خلاف ترجمہ وتفسیر موجود ہے۔ مثال کے طور پر ایک مقام ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِأَيْيدٍ وَّإِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ (الذاریات:۴۷)

وہ اس آیت کا پہلے یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ

''اور آسمان کو ہم نے بنایا قدرت کے ساتھ اور ہم بڑی ہی وسعت رکھنے والے ہیں۔''

پھر اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''أَيْدٍ کے معروف معنی تو ہاتھ کے ہیں لیکن یہ قوت وقدرت کی تعبیر کے لئے بھی آتا ہے ...... یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس قدرت وعظمت کی طرف توجہ دلائی ہے جس کا مشاہدہ ہر شخص اپنے سر پر پھیلے ہوئے آسمان اور اس کے عجائب کے اندر کرسکتا ہے۔'' (تدبر قرآن:۷/۶۲۶)

اس مقام پر مولانا اصلاحی صاحب کی پہلی غلطی یہ ہے کہ اُنھوں نے لفظ أییدکو أید (یَدٌ کی جمع) سمجھ لیا جو کہ غلط ہے کیونکہ پہلے لفظ أییدکا مادہ ء ي د ہے جبکہ دوسرے لفظ أید کا مادّہ ي د ي ہے۔ عربی میں پہلے کے معنی 'قوت وطاقت' کے آتے ہیں اور دوسرے کے 'ہاتھ' کے۔

پھر یہاں پر مولانا صاحب کی دوسری غلطی یہ ہے کہ اُنہوں نے بزعم خویش ایک لفظ کے معروف معنی چھوڑ کر خود اس کے 'غیر معروف' معنی مراد لے کر اُس کی تفسیر کردی۔ جو اُن کے اپنے اُصول کے خلاف بھی ہے اور اُن کے شاگرد رشید غامدی صاحب کے اُصول کے خلاف بھی کہ قرآنی الفاظ کے صرف معروف معنی ہی لئے جاسکتے ہیں۔

© Fasalojaraid.com

قرآن مجید میں پہلے لفظ أنید کی مثالیں اور نظیریں یہ ہیں:

① ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الأَيْدِ...... ﴾ (صٓ :۱۷) میں ذَا الأَيْدِ کے معنی 'قوت والا' کے ہیں۔

② اسی 'أَنيْدٍ' کے افعال ومشتقات میں ماضی یعنی أَيَّدَهٗ، أَيَّدَهُمْ، أَيَّدَكَ، أَيَّدَكُمْ، أَيَّدْنَا اور مضارع یعنی يُؤَيِّدُ کے الفاظ قرآنِ مجید میں مستعمل ہیں۔

دوسرے لفظ یَـد کے قرآنی نظائر یہ ہیں:

① واحد کی شکل میں يَدٌ، يَدٍ، يَدَهٗ اور يَدَكَ وغیرہ

② تثنیہ کی صورت میں يَدَا، يَدَاكَ اور يَدَاهُ وغیرہ

③ جمع کے طور پر أَيْدِيْ، أَيْدِيَ، اَيْدِيْنَا، أَيْدِيهِمْ اور أَيْدِيَهُنَّ وغیرہ

گویا یَدٌ کے یہ تمام قرآنی نظائر 'ایک ہاتھ'، 'دو ہاتھ' اور 'سب ہاتھ' کے معنوں میں جا بجا موجود ہیں۔ یہاں لفظ أنید رسم عثمانی میں ي کے علاوہ ایک اضافی دندانے کے ساتھ لکھا جاتا ہے، تاکہ أنید کا ید سے اشتباہ باقی نہ رہے۔ کیونکہ مادّہ (Root) کے اعتبار سے أنید کا پہلا حرف ہمزہ 'ء' ہے۔ جبکہ ید کا پہلا اور آخری لفظ دونوں 'ي' ہیں۔

اب سوچنے کی یہ بات ہے کہ جو لوگ قرآنی الفاظ کے مادّوں (Roots) ہی سے بے خبر ہوں اور اس کے دو مختلف الفاظ میں امتیاز نہ کرسکتے ہوں، اُن کی عربیت پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ ...... اور جب اُن کی عربیت کا یہ حال ہے تو اُن کی تفسیر کا کیا حال ہوگا؟؟

کراچی میں ایک نامور عالم دین کی وفات

انا للہ وانا الیہ راجعون!

بانی جماعت غرباء اہل حدیث مولانا عبدالوہاب دہلویؒ کے فرزند اور مختصر قرآنی تفسیر 'فوائد ستاریہ' کے مصنف مولانا عبدالستار دہلویؒ کے برادرِ اصغر مولانا عبدالقہار دہلوی ۳۱ مئی ۲۰۰۶ء کو کراچی میں وفات پاگئے۔ ۵۰ برس تک علوم دینیہ کی مسلسل تدریس کے علاوہ آپ نے کئی کتب تحریر کیں اور فتویٰ نویسی بھی فرماتے رہے۔ فن مناظرہ میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی۔ اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ہونے کے ساتھ مسلمانوں کی خیرخواہی اور ان کی اصلاح کی ہر وقت آپ کو فکر دامن گیر رہتی۔ اللہ سے دعا ہے کہ دین حنیف کے لئے آپ کی خدمات کو قبول ومنظور فرمائے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اللہ تعالیٰ لواحقین کو صبر جمیل سے نوازیں۔ آمین! ادارہ محدث